ہندستان کے موجودہ حالات

مسائل اور حل

مولانا سید جلال الدین عمری

سوالات کے موضوعات

عرض ناشر

۶/اپریل ۲۰۱۱ء کو جماعت اسلامی ہند کی مجلس نمائندگان نے مولانا سید جلال الدین عمری کو دوبارہ امیر جماعت کی حیثیت سے منتخب کرلیا تو سہ روزہ دعوت نئی دہلی کے مدیر اعلیٰ جناب پرواز رحمانی اور معروف صحافی جناب اے، یو، آصف نے مولانا کی علمی دل چسپیوں، جماعت کی سرگرمیوں اور مختلف ملّی، ملکی اور عالمی امور و مسائل کے بارے میں انٹرویو لینے کا پروگرام بنایا۔ تین نشستوں میں مختلف مسائل زیر گفتگو آئے۔ بعض امور پر مولانا نے بہت تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا۔ تمام اہم سوالات کے جوابات جامع انداز میں مرتب کر لیے گئے، جن پر بعد میں امیر جماعت نے بھی نظر ڈال لی ہے۔ امید ہے کہ یہ انٹرویو ان تمام حلقوں میں توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا جو امت مسلمہ، تحریک اسلامی اور ملک وملت کے امور و مسائل سے دل چسپی رکھتے ہیں۔

دوبارہ امیر جماعت منتخب ہونے پر احساس

سوال: اب جب کہ رفقائے جماعت نے آپ پر منصبِ امارت کی ذمہ داری ایک بار پھر ڈال دی ہے تو اس موقع پر آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

جواب: پہلی بار جب امارت کی ذمہ داری اس عاجز پر ڈالی گئی اس وقت بھی یہ احساس تھا کہ اس عظیم منصب کے لیے جس علم وفہم، تقویٰ، خداترسی، حکمت وتدبر اور قربانی واستقامت کی ضرورت ہے، اس سے میں تہی دامن ہوں۔ چار سال کے تجربے کے بعد اس احساس میں شدّت ہی آئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک ایسی تحریک جو انقلابی تصورِ حیات رکھتی ہے، جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بنیادی تبدیلی چاہتی ہے اور اس کے لیے پورے ملک میں سرگرم عمل ہے، اس کی قیادت و سربراہی آسان نہیں ہے۔ لیکن جماعت نے اس عاجز پر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اور گزشتہ میقات میں رفقاء و وابستگانِ جماعت کا جس طرح تعاون حاصل رہا ہے، اس سے کسی قدر اطمینان بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ہدایت و رہنمائی کے بعد وابستگان جماعت کے اس تعاون کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی جماعت کا یہ اعتماد اور تعاون حاصل رہے گا۔ اس کی بنیاد پر تحریک آگے بڑھے گی۔ ان شاءاللہ

مرکز کا ماحول

سوال: ہر چند کہ مرکز جماعت کا ماحول آپ کے لیے نیا نہیں ہے، آپ پچاس سال سے زیادہ عرصے سے مرکز سے وابستہ ہیں، چار میقات (۱۹۹۰ء) سے نائب امیر جماعت بھی رہے ہیں، لیکن بحیثیت امیر جماعت گزشتہ چار سال میں آپ نے مرکز کے ماحول کو کیسا پایا؟

جواب: اس سوال کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو آپس کے تعلقات کا ہے۔ اللہ کا شکر ہے رفقاءِ مرکز کے باہم تعلقات بہت خوشگوار ہیں۔ مختلف شعبوں کے ذمہ داروں اور کارکنوں میں محبت اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ ان سب کا تعاون بھی اس خاکسار کو حاصل رہا ہے۔ ہم نے ایک ٹیم کی طرح مل جل کر کام کیا۔ دوسرا پہلو تعلق باللہ، تزکیہ اور تربیت سے متعلق ہے۔ اس پہلو سے بعض رفقاء کا کردار قابلِ تعریف ہے۔ وہ ہم سب کے لیے نمونہ بن سکتے ہیں۔ بعض افراد میں کمزوریاں دیکھی جاتی ہیں، لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ انھیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہے۔ کمزوریوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو کسی جانب سے ناگواری کا اظہار نہیں ہوتا۔ اس سے توقع ہے کہ آئندہ ہم ان کمزوریوں پر قابو پاسکیں گے۔

❖●❖

علمی سرگرمیاں

سوال: بنیادی طور پر آپ کا رجحان تصنیف وتالیف کی طرف رہا ہے، عرصۂ دراز سے آپ اس کام میں مصروف ہیں۔ فرمائیں کہ چار سال قبل امارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد آپ کے اس کام کی نوعیت کیا رہی۔ نیز اس وقت آپ کے پیشِ نظر تصنیف وتالیف کا جو کام ہے، گزشتہ چار سال کے تجربے کی روشنی میں آپ منصب امارت کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے اسے کس طرح انجام دیں گے؟

جواب: گزشتہ میقات میں اپنی تحریکی اور تنظیمی مصروفیات کے ساتھ اس سلسلے میں جو کام ہوسکا وہ یہ ہے:

(۱) میرے مضامین کے دو مجموعے نظر ثانی کے بعد شائع ہوئے۔ ان میں سے ایک کا عنوان ہے 'تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث'۔ اس میں بہت ہی اہم اور نازک فقہی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ جیسے شریعت میں اجتہاد کا عمل، ہندستان کی شرعی و قانونی حیثیت، دارالاسلام اور دارالحرب کا تصور، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ، غیر مسلموں سے ازدواجی تعلقات، اسلام کا قانونِ قصاص، قذف اور لعان کے احکام۔

دوسرا مجموعہ ہے 'دعوت و تربیت — اسلام کا نقطۂ نظر' — دعوت اور تربیت کے موضوع پر رفقاء جماعت مختصر مضامین کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ یہ مجموعہ اس مطالبے کی کسی حد تک تکمیل کرتا ہے۔

(۲) حسبِ ذیل کتابوں پر نظر ثانی ہوئی اور انھیں ازسرنو مرتب کیا گیا:

۱-عورت ــــ اسلامی معاشرے میں

۲-عورت اور اسلام

۳-اسلام اور مشکلاتِ حیات

۴-انسان اور اس کے مسائل

اس عرصے میں سہ ماہی 'تحقیقاتِ اسلامی' علی گڑھ پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ آپ جانتے ہیں یہ ایک علمی اور تحقیقی مجلّہ ہے۔ اس کی ترتیب وتدوین میں خاصی محنت کرنی پڑتی ہے۔ برادرم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کے تعاون سے یہ کام جاری رہا۔ اس کے علاوہ بعض کتابچے بھی شائع ہوئے۔ امارت کے فوراً بعد سہ روزہ دعوت اور بعض دیگر اخبارات میں میرے انٹرویو شائع ہوئے۔ نظرِ ثانی کے بعد ان کا مجموعہ 'موجودہ حالات میں جماعت اسلامی ہند کا لائحۂ عمل' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں ملکی، ملّی، بین الاقوامی اور تحریک سے متعلق سوالات کا جواب دیا گیا ہے اور جماعت اسلامی کا موقف واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس دوران میں تصنیف وتالیف کا کام متاثر رہا ہے۔ اس کے لیے جس یکسوئی کی ضرورت ہے وہ حاصل نہیں ہوسکی۔ اس میں شاید میری کوتاہی اور بدنظمی کا بھی دخل ہے، اس پر قابو پانے کی کوشش ہوگی، ان شاء اللہ!

تحریک اسلامی

تحریک اسلامی کا موجودہ لٹریچر

سوال: کیا تحریک اسلامی کا موجودہ لٹریچر ہندستان کے تناظر میں ناکافی ہے۔اگر ناکافی ہے تو کیا نیا لٹریچر تیار کیا جارہا ہے؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ لٹریچر جماعت اسلامی کا ہو یا موجودہ دور کی اور کسی اسلامی تحریک کا۔اس میں بنیادی طور پر مغرب کے مقابلے میں اسلام کی برتری ثابت کر کے احیائے اسلام کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔آج بھی فکری حکمرانی مغرب ہی کی ہے چاہے وہ ہندستان ہو یا اس سے باہر کی دنیا۔دراصل ہماری اصل حریف مغربی فکر ہی ہے۔اس کا فلسفۂ حیات، اس کا طرزِ سیاست، اس کی معیشت اور اس کی اخلاقیات ہی فیصلہ کن طاقت ہے۔اس لحاظ سے اس لٹریچر کی اب بھی خاص اہمیت ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔وہ یہ کہ علمی کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔بعض کام اپنی مستقل قدر و قیمت رکھتے ہیں۔اس سلسلہ میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تصنیفات میں خطبات، رسالۂ دینیات، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی اور اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات (جو مولانا کے علمی مقالات کا مجموعہ ہے) جیسی کتابوں کا نام لیا جاسکتا ہے۔ بعض کتابیں وقتی مسائل سے بحث کرتی ہیں، ان کی تاریخی اہمیت ہوتی ہے، لیکن ان میں بھی مصنف کا بنیادی فکر کارفرما ہوتا ہے، اس ذیل میں مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش یا مسئلہ قومیت وغیرہ کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔اس کے ساتھ اس حقیقت

کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ہر علمی کام مخصوص حالات اور پس منظر میں انجام پاتا ہے۔ مطالعہ کے وقت اسے بھی سامنے رکھنا چاہیے ورنہ بعض اوقات ذہن الجھن محسوس کرنے لگتا ہے۔

جہاں تک نئے لٹریچر کا سوال ہے، حالات اب بہت بدل چکے ہیں۔ دنیا کے تمام ممالک ایک دوسرے سے قریب آچکے ہیں، اس کے غیر شعوری اثرات بھی بڑے پیمانہ پر دیکھے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ موجودہ سیاسی انقلابات، مغربی تہذیب کی یلغار اور نئی معاشی تبدیلیاں جدید لٹریچر کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں بہت تھوڑی کوشش ہوسکی ہے۔ یہ کام وقت اور صلاحیت دونوں کا طالب ہے۔ دعا کیجیے کہ جماعت کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہوں۔

امیر جماعت کی تصنیفی خدمات

سوال: اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں آپ کی ذاتی کوششوں کا کچھ ذکر ہو جائے۔ سوال ہے تصنیف و تالیف کے میدان میں آپ کی ذاتی کوششیں کیا رہیں؟

جواب: میں نے دعوت و تربیت کے موضوع پر جو جماعت کا خاص موضوع ہے، ایک نئی جہت سے کام کیا ہے۔ میری کتاب 'معروف و منکر' اس سلسلہ کی ایک علمی کوشش ہے۔ اسی طرح 'اسلام کی دعوت' میں اس موضوع کو میں نے سادہ اور آسان انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ بعض ایسے موضوعات کو اپنایا جن کی طرف توجہ نہیں کی گئی تھی یا بہت کم ان سے تعرض کیا گیا تھا۔ مثال کے طور پر میری ایک کتاب کا عنوان ہے 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'۔ اس وقت مسلمان اقلیت کی حیثیت سے بہت سے ملکوں میں موجود ہیں۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ وہاں غیر مسلموں سے مسلمانوں کے تعلقات کیسے ہوں؟ ہندستان کے پس منظر میں تو اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس سوال سے جڑا ہوا دوسرا سوال یہ ہے کہ جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں اور برسرِ اقتدار ہوں، ان کے کیا حقوق ہوں گے؟ اس سے بھی میں نے اس کتاب میں بحث کی ہے۔ میری ایک چھوٹی سی کتاب ہے 'غیر اسلامی ریاست اور مسلمان'۔ اس میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک غیر اسلامی ریاست میں مسلمان دینی نقطۂ نظر سے کن حقوق کا مطالبہ کرتا ہے، کیا کردار ادا کرنا چاہتا ہے اور اس کی

سیرت واخلاق کیسی ہوتی ہے؟ یہ کتاب مسلمانوں کے بارے میں دہشت گردی، تشدد، ملک سے بے وفائی اور غداری جیسے الزامات کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ ہر انسان اس دنیا میں صحت وتندرستی کے ساتھ جینا چاہتا ہے۔ اس کا یہ بھی حق ہے کہ وہ مرض میں مبتلا ہو تو اس کا علاج ہو۔ حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ صحت مند زندگی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ فراہم کرے اور امراض پر قابو پانے کی کوشش کرے اور علاج معالجہ کی سہولت فراہم کرے۔ یہ عالمی سطح کا ایک اہم موضوع ہے۔ ایک خیال یہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے موضوعات اسلامی تعلیمات کے دائرے میں نہیں آتے۔ میں نے اپنی کتاب 'صحت ومرض - اسلامی تعلیمات میں' بتایا ہے کہ اسلام نے اس موضوع کو کس طرح دیکھا اور حل کیا ہے۔ اسی طرح انسانی حقوق کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ میں نے اپنی کتابوں میں انسانی حقوق کو اور خاص طور پر عورتوں اور کم زوروں کے حقوق کو موضوع بحث بنایا ہے۔ مزید اس سلسلے کی تفصیلات کی یہاں ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

مطالعۂ مذاہب کے میدان میں جماعت کا نیا کام

سوال: آپ نے گزشتہ میقات میں مذاہب کے مطالعہ، خاص طور پر ہندستانی مذاہب کے مطالعہ اور مذہبی لٹریچر کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ ہم جاننا چاہیں گے کہ اس سلسلے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟

جواب: یہ ایک حقیقت ہے کہ مادیت کے غلبہ اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر مذہب کی طرف رجحان بڑھا ہے۔ مغرب میں بھی یہ رجحان دیکھا جاتا ہے۔ مشرقی ممالک اور خاص طور پر ہندستان میں یہ رجحان کافی نمایاں ہے، بین المذاہب مکالمہ پر زور دیا جانے لگا ہے۔ گو مذہب کو آج بھی فیصلہ کن طاقت حاصل نہیں ہے لیکن ہندستان جیسے ممالک میں مذہب کی گرفت مضبوط ہے اور عوام پر اس کے اثرات ہیں، اس لیے اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جماعتِ اسلامی نے اسے محسوس کیا اور تھوڑی بہت اس جانب توجہ بھی دی، لیکن جیسی توجہ ہونی چاہیے نہیں ہوسکی۔ بہرحال اس سلسلے میں گزشتہ میقات یا اس سے کچھ پہلے تصنیف و تالیف کا جو کام ہوسکا ہے، اس میں مولانا محمد فاروق خاں صاحب کی دو کتابوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ ایک کا عنوان ہے 'اسلام کی اہمیت ہندو دھرم کے پس منظر میں' دوسری کتاب کا نام ہے 'تصورِ آخرت - ہندستانی مذہبی کتب کی روشنی میں'۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب کی کتاب 'عقیدۂ تناسخ - ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ' اپنے موضوع پر ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ڈاکٹر راجندر نارائن لعل کی کتاب 'اسلام - ایک خدائی دین' مدھر سندیش سنگم نے شائع کی ہے۔ اس میں مصنف

نے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا انیس احمد مدنی استاذ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج نے مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل چار سو صفحات کی ضخیم کتاب تیار کی ہے۔ اس کی اشاعت ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ 'ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی' علی گڑھ میں قرآنِ مجید کی روشنی میں جو کام ہوا ہے۔ وہ بھی اس سلسلے میں کسی قدر مفید ہوسکتا ہے۔ فی الحال دو کتابوں کا حوالہ دیا جارہا ہے۔ 'انبیاء کرام کی دعوت' اور 'اہل مذاہب کو قرآن کی دعوت' یہ دونوں کتابیں ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کی ہیں۔ مزید تفصیل ادارہ سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں جو خاص کام انجام پایا ہے وہ یہ ہے کہ جماعت نے ایسے افراد تیار کیے جنھوں نے ہندستان کے مذاہب کا مطالعہ کیا ہے اور اس پر اعتماد کے ساتھ اسلام کی روشنی میں اظہار خیال کرسکتے ہیں۔ اس طرح کے افراد ہندی علاقہ کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی موجود ہیں۔ مذاہب پر ان کی معلومات بھی وسیع ہیں اور زبان پر بھی انہیں قدرت حاصل ہے۔ بہرحال اس کام کے لیے مزید افراد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

گزشتہ میقات میں جماعت کے اہداف

سوال: ۲۰۰۷ء تا ۲۰۱۱ء کی پالیسی اور پروگرام میں جماعت نے جو اہداف مقرر کیے تھے، مثلاً تعداد ارکان میں اضافہ، کارکنوں کی تعداد کو میقات کے اختتام تک دوگنی کرنا وغیرہ۔ کیا یہ اہداف حاصل ہو گئے؟

جواب: ۲۰۰۷ء-۲۰۱۱ء کے پروگرام میں صرف ارکان اور کارکنوں کی تعداد میں اضافے ہی کا ذکر نہیں ہے، بلکہ دعوت، اسلامی معاشرہ، اسلام کا معاشی نظام، خواتین میں کام کی توسیع، خدمت خلق، تعلیم اور تربیت و تنظیم وغیرہ مختلف میدانوں میں اہداف مقرر کیے گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ بیشتر شعبوں میں یہ اہداف حاصل ہوئے ہیں۔ دعوت کے میدان میں، جیسا کہ محترم قیم جماعت کی رپورٹ سے واضح ہے ہم نے کافی پیش رفت کی ہے۔ بعض پہلوؤں سے ۵۰ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے تحت مساجد اور مدارس کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ تقریباً تمام حلقوں میں ارکان کے اجتماعات ہوئے اور حسبِ پروگرام ارکان کا کل ہند اجتماع دہلی میں ہوا۔ ان اجتماعات کے اچھے اثرات محسوس کیے گئے۔ مختلف ملّی تنظیموں سے روابط میں اضافہ ہوا۔ خدمت خلق کا کام کافی بڑے پیمانے پر مختلف محاذوں پر انجام پایا۔ اسلام کے نظامِ معیشت کے تعارف کی کوششیں جاری رہیں۔ اسلامی بینکنگ کے قیام کی جدوجہد اس میقات میں کافی آگے بڑھی ہے۔ شعبہ تربیت نے بعض پہلوؤں سے نیا تجربہ کیا، مختلف حلقوں کا سکریٹری شعبۂ تربیت نے دورہ کیا۔ منتخب ارکان سے انفرادی ملاقاتیں

کیں، ان کے ذہن وفکر اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش کی، اصلاحِ حال کی جانب توجہ دلائی، پھر حلقے کی شوریٰ میں اپنی رپورٹ پیش کی، اس پر اظہارِ خیال ہوا اور آئندہ کی تدابیر سوچی گئیں۔ شوریٰ کی ان نشستوں میں نائب امیر جماعت محمد جعفر صاحب کی نگرانی حاصل رہی۔ اس میقات میں دوسری میقاتوں کے مقابلے میں ارکان کی تعداد میں نسبتاً کافی اضافہ ہوا ہے، البتہ کارکنوں کی تعداد میں اضافہ کا تناسب کم رہا۔ اس طرف توجہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اہداف کے حاصل کرنے میں تمام حلقوں کی ایک سی کیفیت نہیں رہی۔ کسی حلقہ میں زیادہ کام ہوا اور کسی میں کم کام ہوا۔ اللہ تعالیٰ مزید سعی وجہد کی توفیق عطا فرمائے۔

سیکولرزم اور ڈیموکریسی کے متعلق جماعت کا نقطۂ نظر

سوال: ایک خیال یہ پایا جاتا ہے اور بار بار اس کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے کہ جماعت اسلامی اپنے ابتدائی دور میں سیکولرزم اور سوشلزم اور ڈیموکریسی کی مخالفت کرتی تھی اب اس کا رویہ بدل گیا ہے اور اب وہ ان کی حمایت کرنے لگی ہے۔ اس کی ساری کوششیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیکولرزم اور ڈیموکریسی کو حق ثابت کرنے میں لگی ہوئی ہیں؟

جواب: یہ خیال بالکل غلط ہے۔ جماعت کے دستور میں اس کے نصب العین کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسلام انسان کے ظاہر و باطن اور اس کی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی گوشوں پر محیط ہے۔ یہ دین جس طرح رضائے الٰہی اور فلاحِ آخرت کا ضامن ہے اسی طرح دنیوی مسائل کے حل کے لیے بہترین نظامِ زندگی بھی ہے۔ ہمارا دستور یہ بھی کہتا ہے کہ اسلام ہی کی بنیاد پر فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل ہونی چاہیے۔ اگر جماعت کا کوئی فرد سیکولرزم اور سوشلزم کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو جماعت کے دستور کی مخالفت کرتا ہے۔ پھر وہ جماعت میں کیسے رہ سکتا ہے؟ اس کے لیے جماعت میں گنجائش نہ ہوگی۔ ہماری موجودہ پالیسی میں یہ بات اس طرح کہی گئی ہے کہ ”جماعت چاہتی ہے کہ ملک کے حالات کے پس منظر میں اسلام کو اہلِ ملک کے سامنے بطور واحد متبادل پیش کیا جائے۔ اہل ملک بخوبی جان لیں کہ اسلام افراد کی دنیوی اور اخروی نجات و فلاح کا ضامن بھی ہے اور انسانی سماج کے لیے

موزوں ترین نظریۂ حیات اور نظام زندگی بھی ہے۔ اقامتِ دین کی منزل کی جانب یہ ایک اہم قدم ہوگا۔" یہ بات کہ جماعت سیکولرزم اور ڈیموکریسی کا علم بلند کیے ہوئے ہے، وہی شخص کہہ سکتا ہے جو جماعت کی دعوتی، اس کی اصلاحی، تربیتی اور سماجی کوششوں سے ناواقف ہے یا انہیں نظر انداز کرنا چاہتا ہے۔ ہم جاننا چاہیں گے کہ جماعت نے کب اور کس موقع پر اپنے دستور اور پالیسی کو ختم کرنے اور سیکولرزم اور سوشلزم کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟

انتخابی سیاست اور جماعت کا موقف

سوال: باخبر حلقوں میں یہ خیال عام ہے کہ انتخابی سیاست کے مسئلہ پر خود جماعت کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس میں حصہ لیا جائے جبکہ دوسری رائے ہے کہ یہ ہمارے فکر وعقیدے کے خلاف ہے یا یہ کہ فی الحال اس کا موقع نہیں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: جماعت کے اندر اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ موجودہ نظام غیر اسلامی اور خلافِ حق ہے اور جماعت کو اسے بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ البتہ جو سوال زیرِ بحث رہا ہے وہ یہ ہے کہ ملک میں مسلمانوں کے بہت سے مسائل ہیں۔ ان کے اقلیت میں ہونے کی وجہ سے یہ مسائل زیادہ شدید ہیں۔ سوال یہ رہا ہے کہ کیا انتخابی سیاست ان کے حل میں معاون ہوسکتی ہے؟ اس معاملے میں دو رائیں پائی جاتی ہیں، جیسا کہ آپ نے خود کہا۔ اکثریت کی رائے ہے کہ اس میں حصہ لینا چاہیے، یہ بحیثیت مجموعی ملک وملت کے لیے مفید ہوگا۔ آپ کا یہ سوال کہ میں اس پر اپنی رائے کا اظہار کروں؟ اس سوال کا جواب میرے لیے مناسب نہیں ہے۔ میری ذاتی رائے اس کے حق میں بھی ہوسکتی ہے اور اس کے خلاف بھی۔ ایک ذمہ دار کی حیثیت سے مجھے اس بحث میں نہیں پڑنا چاہیے۔ البتہ ایک بات قابل غور ہے، اس کا اظہار میں نے حال ہی میں اجلاسِ نمائندگان میں بھی کیا تھا۔ وہ یہ کہ سیکولرزم، سوشلزم اور ڈیموکریسی کے الفاظ ملک کے دستور میں ایک خاص مفہوم میں آئے ہیں۔ سوشلزم کے بارے میں

سپریم کورٹ یہ کہہ رہی ہے کہ اب اس اصطلاح کو ہم اس کے ابتدائی مفہوم میں نہیں بلکہ سماجی انصاف کے معنی میں لے رہے ہیں۔ جہاں تک سیکولرزم کا تعلق ہے، بہت پہلے مولانا ابواللیث صاحب سے ڈاکٹر سید محمود صاحب نے سوال کیا تھا کہ سیکولرزم کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ مولانا نے جواب دیا تھا کہ سیکولرزم کے معنیٰ اگر یہ ہیں کہ یہاں کسی مذہب کے ساتھ جانب داری نہیں برتی جائے گی، تمام مذاہب کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا اور سبھی مذاہب کو اپنے طور پر کام کرنے کی آزادی ہوگی تو ہم اس کے خلاف نہیں ہیں۔ لیکن اگر سیکولرزم کے معنیٰ اللہ کی حاکمیت اور اس کے اقتدار کی نفی ہے تو ہم اس کے خلاف ہیں۔ بعد میں شوریٰ نے اس تشریح کی توثیق بھی کی۔ یہی حال ڈیموکریسی کا ہے۔ میں نے اس پر کئی دفعہ لکھا ہے۔ ڈیموکریسی اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی جگہ انسانوں کے اقتدار کی قائل ہے۔ اسے ہم غلط قرار دیتے ہیں، لیکن وہ انسان کے عقیدہ وعمل کی آزادی کی قائل ہے۔ اس کے تحت دعوت و تبلیغ اور معاشرہ کی اصلاح وتربیت کے مواقع حاصل ہیں، اس لیے ہم اسے ان نظاموں کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں، جو یہاں یہ آزادی دینا نہیں چاہتے اور ایک خاص قسم کی تہذیب اور کلچر پورے ملک پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ڈیموکریسی ہے۔ اس سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے کہ اسلام کا تعارف کرائیں اور اس کے تعلق سے غلط فہمیوں کو رفع کریں اور یہ بتائیں کہ اسلام میں ملک کی اور پورے عالم کی فلاح ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ڈیموکریسی کسی بھی مذہب یا دین کو اسٹیٹ کا نظام بننے کی اجازت نہیں دیتی۔ میرا خیال ہے کہ اگر یہ رکاوٹ ہے تو اس رکاوٹ کو بھی جمہوریت ہی کی راہ سے دور کرنا چاہیے اور مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہیے۔

❖●❖

اسلام کو موضوع بحث بنانے کی ضرورت ہے

سوال: ایک احساس یہ ہے کہ جماعت اب اسلامی اقتدار پر اصرار سے بتدریج پیچھے ہٹ رہی ہے۔ مثلاً جماعت کی درسی کتابوں میں ایڈیٹنگ کی جارہی ہے۔ ان کا دینی رخ بدل رہی ہے، مثال کے طور پر ایک نظم ''میلہ'' ہے۔ اس میں اب شرک و الحاد والا سبق نہیں رہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس بحث کو چھیڑنا چاہتے ہیں، اُس کا دروازہ خود ہم نے بند کر دیا ہے۔ ہم نے اپنی درسی کتابوں میں سے ایسی تمام چیزوں کو نکال دیا ہے۔ اِس صورت میں آپ دعوتِ اسلامی کا کام کس طرح انجام دیں گے؟

جواب: میرے خیال میں یہ احساس درست نہیں ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پر فرد اور معاشرے کا ارتقاء اور ریاست کی تشکیل ہو تو یہ بات ہم اپنے دستور کے مطابق کہتے ہیں۔ ہاں مجھے یہ اعتراف ہے کہ ہم نے یہ گفتگو اپنے سرکل میں تو کی ہے، لیکن اسے عوام کے درمیان بحث کا موضوع نہیں بنا سکے۔ آج فرد کے ارتقاء کی بات کہی جاتی ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کام اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح ہم یہ بتائیں کہ سماج کی تعمیر اسلام کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ قانون کی بحث میں بتایا جائے کہ فطری طور پر سارے انسان برابر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی پر مطلق اقتدار حاصل نہ ہو بلکہ سب پر خدا کا قانون نافذ ہو اور جسے نظم چلانے کے لیے دیا جائے وہ بھی یہ سمجھے کہ اسے اصل مالک وحاکم کا قانون چلانا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ بہت ہی محدود سرکل میں تو یہ

گفتگو ہوتی رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ بڑے پیمانے پر ملک کے سامنے بھی اس کو ایشو بنایا جائے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اسلام کے حق میں حالات ساز گار نہیں ہیں، لیکن عالمی پیمانے پر جو تبدیلیاں آرہی ہیں وہ نئی فکر کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اس میں اسلام کا نقطۂ نظر آنا چاہیے۔

درسیات میں جس تبدیلی یا نظر ثانی کا آپ ذکر کررہے ہیں، اس کے متعلق شعبۂ تعلیمات سے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کہ کیا تبدیلی ہوئی ہے اور کس مقصد سے ہوئی ہے۔ اس وقت اس کی تفصیل میرے پیش نظر نہیں ہے۔

اسلام ہی واحد متبادل ہے

سوال: آپ اپنی گفتگو اور خطابات میں اکثر اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کو متبادل کے طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں جماعت کی کوششیں کیا ہیں، اور نئی میقات میں آپ کیا منصوبہ رکھتے ہیں؟

جواب: یہ عاجز بہت پہلے سے اپنے مضامین اور خطابات میں اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ دین کو موجودہ نظام ہائے حیات کے متبادل کے طور پر پیش کرنا چاہیے۔ اس کے بغیر کارِ دعوت کی تکمیل نہ ہوگی۔ اس وقت ملکی اور بین الاقوامی حالات بھی اس کا تقاضا کررہے ہیں کہ کوئی متبادل سامنے آئے۔ گزشتہ میقات کی پالیسی اور پروگرام میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے۔ اس سے ہمارے کام کا رخ متعین ہوتا ہے۔ اسلام کو متبادل کے طور پر پیش کرنے کے بڑے وسیع مضمرات ہیں۔ آج پوری دنیا میں ایک نظریاتی خلا پایا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص نظریۂ حیات کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا، صرف مادّی ترقی اور خوشحالی اس کے پیشِ نظر ہے اور ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر انسان کے لیے اپنا نظریۂ حیات طے کرنا ضروری ہے۔ اسی سے پوری زندگی کا رخ متعین ہوتا ہے۔ اسلام صحیح نظریۂ حیات پیش کرتا ہے۔ وہ انسان کی مادّی ضروریات کی تکمیل کی راہ بھی دکھاتا ہے اور اس کو اطمینانِ قلب بھی فراہم کرتا ہے۔ اس نے عبادات کا جو نظام دیا ہے وہ اس نظریۂ حیات کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اسی طرح ایک ایک شعبۂ حیات کو تفصیل سے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ خاندان سماج کا بنیادی شعبہ ہے۔ آج اس کا ڈھانچہ بکھر چکا ہے،

لیکن اسلام اس کی تعمیر کے لیے ٹھوس اور مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اس نے جو اخلاقی تعلیمات دی ہیں وہ انسان کو پاکیزہ سیرت و کردار عطا کرتی اور انسانی تعلقات کو بہتر بناتی ہیں۔ اس کا معاشی نظام انتہائی اعتدال پر مبنی ہے۔ وہ امیر اور غریب کی کشمکش سے سوسائٹی کو نجات دلاتا ہے۔ ہر ایک کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کی ضمانت فراہم کرتا اور جائز ذرائع سے معاشی جدوجہد کی اجازت دیتا ہے۔ اس نے سیاست کا جو نظام دیا ہے، وہ انسان پر سے انسان کے اقتدار کو ختم کرتا اور ہر فرد کو اللہ کا بندہ اور اس کے احکام کا پابند بناتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ جماعت کے اندر یہ رجحان بڑھا ہے اور ہمارے مقررین اور خطیب اسلام کو اس حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام کی اساسی تعلیمات کو سمجھنے کی ضرورت

سوال: آپ کا یہ خیال بھی ہے کہ اسلام کو عالمی سطح پر بحث اور تبادلہ خیال کا موضوع بننا چاہیے اور اس کا راستہ بین الاقوامی سطح پر جاری اسلام مخالف پروپیگنڈے سے نکالا جانا چاہیے۔ اب محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ مغرب اسلام پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں سی آئی اے کے ایک سابق افسر گراہم فلر کی کتاب 'اے ورلڈ وِد آؤٹ اسلام' حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور مغرب ومشرق میں بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ مصنف نے اسلام کے سلسلے میں اہلِ مغرب کی آراء کو جانبدارانہ اور متعصّبانہ کہہ کر یکسر مسترد کر دیا ہے اور اسلام کو اس کے اصل ماخذ سے سمجھنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ کیا ہم اسے خوش آئند تبدیلی کہہ سکتے ہیں؟

جواب: اسلام مخالف پروپیگنڈے نے، اس میں شک نہیں کہ اسلام کے صحیح تعارف کا موقع فراہم کیا ہے۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ اس پروپیگنڈے کے نتیجے میں اسلامی تعلیمات سے واقفیت اور ان کو سمجھنے کا رجحان بھی پیدا ہوا ہے۔ گراہم فلر کی کتاب کو اسی پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ میں اس کتاب کا مطالعہ نہیں کر سکا، البتہ اس پر بعض تبصرے نظر سے گزرے ہیں۔ اس بات کی تعریف کی جانی چاہیے کہ اس نے جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ایک بات ہمیں بہر حال سامنے رکھنی چاہیے۔ وہ یہ کہ مغرب نے اسلام کو ہمیشہ ایک حریف طاقت کی حیثیت سے دیکھا اور اسے ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ حالات کے لحاظ سے اس تنقید کا رخ بدلتا رہتا ہے۔

کبھی اس نے اس کے عقائد کو، کبھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کو، کبھی وحی و رسالت کے تصور، کبھی اس کے خاندانی نظام کو، کبھی اس کی معاشی تعلیمات کو تنقید و اعتراض کا نشانہ بنایا، بلکہ بسا اوقات تضحیک اور مذاق کا موضوع بنایا۔ ادھر 9/11 کے واقعہ کے بعد مسلم تنظیموں پر دہشت گردی اور تشدد کا الزام لگایا گیا۔ آگے بڑھ کر کہا گیا کہ خود اسلام دہشت گردی، تشدد اور عدم رواداری کا حامی اور علم بردار ہے۔ یہ تنظیمیں اسی سے راہنمائی حاصل کرتی ہیں۔ جو شخص اسلام کی تعلیمات کا بغیر کسی ذہنی تحفظ اور تعصب کے مطالعہ کرے گا وہ اسے غلط قرار دے گا۔ میرا خیال ہے کہ گراہم فلر کی کتاب بھی اسی کی ترجمانی کرتی ہے۔ جو شخص زندگی کے کسی بھی معاملہ میں اسلام کا مطالعہ کرے گا وہ اس کی اعتدال اور انصاف پر مبنی تعلیمات سے ضرور متاثر ہوگا اور اس پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کو بے بنیاد قرار دے گا۔ لیکن اس مطالعہ میں نقص یہ ہے کہ یہ اسلام کا ایک رخ سے یا کسی خاص موضوع کے تحت مطالعہ ہے۔ اس سے اسلام کی حقانیت پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسلام کے اساسات اور بنیادی اصولوں کا مطالعہ کیا جائے اور پھر اس کی روشنی میں زیرِ بحث موضوع پر اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اسلام کی بنیاد اس کے عقائد پر ہے۔ وہ الحاد اور شرک کا مخالف ہے۔ اس کے مقابلہ میں توحیدِ خالص کا تصور پیش کرتا ہے۔ وہ حیاتِ دنیا کو انسان کی آخری منزل نہیں سمجھتا، بلکہ آخرت اور جزا اور سزا کا تصور دیتا ہے۔ انسان کو جو ذرائعِ علم حاصل ہیں، انہیں وہ ناکافی قرار دیتا ہے۔ اس لیے وحی اور رسالت پر ایمان کو ضروری قرار دیتا ہے اور محمد ﷺ کو آخری رسول اور قرآن کریم کو آخری کتاب کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ وہ انسان کو خدا کا بندہ اور اس کے سامنے جواب دہ قرار دیتا ہے۔ وہ انسانوں کے درمیان مساوات کا قائل ہے۔ اسی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسلام انسان پر انسان کی حکمرانی کو صحیح تسلیم نہیں کرتا

اور خدا کی حکمرانی کا تصور پیش کرتا ہے۔ ان اصولی تعلیمات کو موضوع بحث بنانا چاہیے۔ اسلام نے بہت سی تعلیمات کی حکمتیں بیان کی ہیں اور مزید حکمتیں تلاش بھی کی جاسکتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص قرآن کو آخری کتاب تسلیم کرلے اور فائنل اتھارٹی مان لے تو پھر اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں کرسکتا۔ جو کتابیں لکھی جارہی ہیں اُن میں یہ بحث اس ڈھنگ سے نہیں آرہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ بحث اسی طریقے سے آئے اور دنیا کے دانشور قرآن کی ان اساسی تعلیمات پر غور کریں۔ ان پر اگر اطمینان حاصل ہو تو بہت سی بحثیں ازخود ختم ہو جائیں گی۔

ہندستان میں اسلام کی تبلیغ کا حق

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہندستان میں ایسے حالات ہیں کہ ہم اس انداز میں گفتگو کر سکتے ہیں؟

جواب: ہمارے ملک میں ہر شخص کو فکر و عمل کی آزادی حاصل ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہر مذہب اپنی حقانیت ثابت کر سکتا ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں جمہوریت ہے ہر شخص کو کوئی بھی نظریہ اختیار کرنے اور اس کی تبلیغ کا حق ہے تو مذہب کو اس سے مستثنیٰ قرار دینا روحِ جمہوریت کے منافی ہے۔ پھر اظہارِ رائے کی آزادی کا مطلب کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ مذہب کو سیاسی مسائل سے الگ رکھنے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس رویہ پر سنجیدہ غور وفکر کی ضرورت ہے۔ یہ اندازِ فکر مغرب سے اخذ کیا گیا ہے۔ اسے معقول نہیں کہا جا سکتا۔ اسے چیلنج کرنا چاہیے۔

❖●❖

اسلام کو نظریۂ حیات کے طور پر پیش کرنا ہوگا

سوال: ہمارا ملک کمیونزم کو تو ایک نظریے اور آئیڈیالوجی کے طور پر پیش کرنے کا حق دیتا ہے، لیکن مسلمانوں بالخصوص جماعت اسلامی کا یہ حق اب تک کیوں تسلیم نہیں کیا گیا کہ اسلام کو نظریۂ حیات کے طور پر پیش کرے؟

جواب: کمیونزم کے حق میں ایک زمانے میں ہندستان کا رجحان رہا ہے اور ترقی پذیر ملکوں کے لیے سوشلزم کو ہی ذریعہ نجات سمجھا جاتا تھا، اس لیے اس کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ ہمارے لٹریچر میں بلاشبہ یہ بات واضح انداز میں کہی گئی ہے اور ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ صحیح نظامِ زندگی اسلام ہی ہے۔ اسی کی بنیاد پر فرد کا ارتقا اور معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل ہونی چاہیے۔ لیکن آپ اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ جس قوت سے یہ آواز بلند ہونی چاہیے، نہیں ہوسکی۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کا دستور اس سلسلے میں مانع ہے تو اس رکاوٹ کو دور کرنے کی تدبیر کی جانے چاہیے۔

❖●❖

ویلفیئر پارٹی اور جماعت اسلامی

سوال: ویلفیئر پارٹی آف انڈیا کے تعلق سے بہت سے سوالات کیے جاتے ہیں کہ کیا یہ جماعت اسلامی کی قائم کردہ پارٹی ہے۔ یا اس کا سیاسی ونگ ہے اور اس کی کمان جماعت کے ہاتھ میں ہوگی۔ اگر نہیں ہے تو جماعت سے اس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اس پارٹی کے قیام سے جماعت اپنے نصب العین اور طریقہ کار سے ہٹ گئی ہے اور عام سیاسی پارٹیوں کا طریقہ کار اختیار کرلیا ہے۔ آپ کی طرف سے اس کی وضاحت ضروری محسوس ہوتی ہے۔

جواب: ویلفیئر پارٹی ان مسائل کو لے کر آگے بڑھنا چاہتی ہے جو ملک کے دستور اور یہاں کے جمہوری نظام میں حل کیے جاسکتے ہیں۔ ان مسائل کا تعلق براہِ راست مسلمانوں سے بھی ہے اور دیگر اقلیتوں اور پس ماندہ طبقات سے بھی ہے۔ اس ملک میں مسلمان بیس (۲۰) کروڑ کے قریب ہیں۔ ان کے بے شمار مسائل ہیں۔ میں نے کل ہند ارکان اجتماع کے موقع پر اپنے افتتاحی خطاب میں، جو شائع ہوچکا ہے، کہا تھا کہ ان مسائل کا تعلق ان کے وجود و بقا سے بھی ہے اور دینی شناخت کے ساتھ باعزت زندگی گزارنے سے بھی۔ ان مسائل میں جان و مال کی حفاظت، فسادات کی روک تھام، غربت و افلاس اور جہالت کا ازالہ، دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تربیت کا نظم، مدارس اور مساجد کا قیام، پرسنل لا میں عدمِ مداخلت، اوقاف کا تحفظ اور ان کا صحیح استعمال، عدل و انصاف کا حصول اور ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس کے لیے چارہ جوئی جیسے بہت سے مسائل ہیں۔ ان مسائل کی طرف جماعت کی شروع سے ہی توجہ رہی ہے، اس

کے لیے وہ سیاسی سطح پر بھی مختلف تدابیر اختیار کرتی رہی ہے۔

جماعت کی ایک کوشش یہ بھی رہی کہ یہاں دستوری نظام باقی رہے، جس میں انسان کے بنیادی حقوق تسلیم کیے گئے ہیں، چنانچہ ایمرجنسی میں ملک کے دستور کو ختم کر کے اسے فردِ واحد کی مرضی کے تابع بنانے کی کوشش کی جارہی تھی اور ایک طرح سے کلیت پسندانہ رجحان سامنے آرہا تھا۔ جماعت نے اس کی بھر پور مخالفت کا فیصلہ کیا اور ان سیاسی جماعتوں کا ساتھ دیا جو جمہوریت کی حمایت کررہی تھیں اور دستور کی بحالی چاہتی تھیں۔ کیونکہ اس میں ملک وملت کا فائدہ تھا اور جماعت کو کام کے دوبارہ مواقع حاصل ہورہے تھے۔

پوری ملت اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے مختلف سیاسی پارٹیوں کا تعاون کرتی رہی ہے۔ جماعت نے بھی ان افراد اور جماعتوں کی حمایت کی جو مسلمانوں کے مسائل سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور دستور میں دیے گئے حقوق پر عمل درآمد کو ضروری خیال کرتے ہیں اور زبانی اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ وہ اس معاملہ میں مختلف افراد اور طبقات کے درمیان جو فرق عملاً کیا جاتا ہے اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ الیکشن کے بعد کوئی بھی پارٹی اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتی۔ اس کے اپنے مفادات ہوتے ہیں جن کے لیے وہ کام کرتی ہے۔ اب جماعت کے سامنے دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ جماعت براہِ راست ملت کے مسائل کے حل کے لیے میدان میں آئے اور دوسری صورت یہ تھی کہ ان مسائل کے لیے ایک آزاد سیاسی پارٹی بنائی جائے۔ مسلمانوں کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑرہا ہے ان سے یہاں کی دوسری اقلیتیں بھی دوچار ہیں۔ ان کو بھی اس میں شریک کیا جائے۔ جماعت نے طے کیا کہ جماعت تو اپنے نصب العین اور اپنی طے شدہ پالیسی پر عمل کرتی رہے گی اور ملت کے عمومی مسائل جو دیگر اقلیتوں کے بھی مسائل ہیں، انہیں سیاسی سطح پر اٹھانے کے لیے ایک آزاد سیاسی پارٹی کے قیام کی تحریک کرے گی۔ اسی کے نتیجے

میں ویلفیئر پارٹی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ذمہ داروں میں جماعت کے افراد کے ساتھ ملت کی بعض نمایاں شخصیتیں بھی شامل ہیں۔ اسی طرح غیر مسلم حضرات کو بھی نمائندگی حاصل ہے۔

ویلفیئر پارٹی سے متعلق بعض باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ جماعت کی سیاسی پارٹی نہیں ہے، بلکہ جماعت کی تحریک پر وہ وجود میں آئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پارٹی کے متعین اور محدود مقاصد ہیں۔ جماعت کی شوریٰ کے فیصلے میں ان مقاصد کو اور جماعت سے اس کے تعلق کو پہلے ہی روز واضح کردیا گیا ہے۔ فیصلہ یہ ہے ”اسلام اور مسلمانوں کے اہم مفادات کے تحفظ، اقدار پر مبنی سیاست کے فروغ، عام انسانوں کی فلاح و بہبود اور عدل و انصاف کے قیام کے لیے ایک سیاسی پارٹی کی تشکیل کی جائے۔ جماعت اس کے قیام کی تحریک کرے گی اور اس پارٹی میں پارٹی کے مقاصد سے اتفاق رکھنے والے مسلم اور غیر مسلم افراد بشمول ارکان جماعت شریک ہوسکیں گے۔ یہ پارٹی اپنے کاموں میں آزاد ہوگی۔ جماعت پارٹی کے قابلِ قدر اقدامات کی تائید کرے گی البتہ ان کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گی۔“

اس صراحت کے بعد یہ بات غلط ہوگی کہ ویلفیئر پارٹی کو جماعت کی پارٹی کہا جائے اور اس سے آگے یہ الزام بھی جان بوجھ کر یا انجانے میں لگایا جائے کہ جماعت اپنے نصب العین اور طریقہ کار سے منحرف ہوگئی ہے۔ میں اطمینان اور وثوق کے ساتھ کہوں گا کہ جماعت اسلامی آئندہ بھی اپنے نصب العین اور مقصد پر قائم رہے گی اور ملک کے سامنے اسلام کو ایک متبادل کی حیثیت سے پیش کرنے کا کام جاری رکھے گی اِن شاء اللہ۔ اس کے لیے وہ ہمیشہ کی طرح اس میقات میں بھی جلد ہی اپنی پالیسی اور پروگرام مرتب کرے گی۔

❖●❖

ملت اسلامیہ ہند اور جماعت اسلامی

ملت اسلامیہ ہند اور دین کا اجتماعی شعور

سوال: اسلام کی اجتماعی زندگی کے شعور اور اس پر عمل کے سلسلے میں آپ مسلمانانِ ہند کو کس مقام پر پاتے ہیں؟ کیا آپ کے خیال میں اصلاحِ معاشرہ کی کوششوں کی ضرورت بھی اسی لیے پیش آتی ہے کہ ہماری ملت میں دین کے اجتماعی شعور کا فقدان ہے؟

جواب: میرا خیال ہے کہ امت کی بہت بڑی تعداد دین کو ایک انفرادی معاملہ سمجھتی ہے اور اسی حیثیت سے اس پر کسی نہ کسی درجے میں عمل بھی کرتی ہے۔ چنانچہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا تھوڑا بہت اہتمام پایا جاتا ہے، اس میں کوتاہی کو دین کے معاملے میں کوتاہی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح خاندانی زندگی میں بھی اسلامی تعلیمات کی بڑی حد تک پابندی ہوتی ہے۔ نکاح، طلاق، خلع اور وراثت جیسے معاملات میں اسلامی تعلیمات معلوم کی جاتی ہیں اور ان کے مطابق عمل بھی ہوتا ہے اور ان کی خلاف ورزی کو مسلم معاشرہ غلط تصور کرتا ہے۔ لیکن یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ کا دین پوری زندگی کے لیے ہے اور ہر معاملہ میں اس کی پابندی ہونی چاہیے، ہم ایک امت ہیں، دین کے رشتے نے ہم سب کو آپس میں جوڑ دیا ہے۔ اس کا رنج و راحت اور دکھ سکھ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر امت بنایا ہے اور اس کے ذریعے دنیا کی اصلاح کا کام لینا چاہتا ہے، اللہ کے دین ہی سے دنیا بھی سنور سکتی ہے اور آخرت میں بھی ہم کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ یہ وسیع تصور امت کے ذہن میں تازہ نہیں ہے۔ اس پہلو سے چند سال پہلے اور اس وقت میں کوئی بڑا فرق نہیں محسوس ہو رہا ہے۔ اس صورتحال کو بدلنے کے لیے کوشش جاری رہنی چاہیے۔

❖●❖

جماعت اسلامی ہند اور اتحاد ملت

سوال: اتحادِ ملت جماعت اسلامی ہند کو ہمیشہ عزیز رہا اور جماعت اس کے لیے کوشاں بھی رہی ہے۔ گزشتہ چار سال میں آپ کی قیادت میں جو کوششیں ہوئی ہیں وہ کیا ہیں؟ آپ کی نظر میں آج اتحادِ ملت کس پوزیشن میں ہے؟

جواب: یہ بات آپ نے بہت درست فرمائی کہ جماعت اسلامی اتحاد ملت کے لیے ہمیشہ سے کوشاں رہی ہے، اس کے لیے وہ امت کو متوجہ بھی کرتی رہی ہے۔ امت کے اندر بھی ایک گونہ اس کا احساس رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں مسلم پرسنل لا بورڈ، مسلم مجلس مشاورت، دینی تعلیمی کونسل جیسے اداروں کا قیام عمل میں آیا۔ ان کے قیام میں جماعت نے حصہ لیا، ان کے ساتھ تعاون کیا اور اب بھی وہ ان اداروں سے وابستہ ہے۔ گزشتہ میقات میں مختلف دینی حلقوں سے روابط بڑھانے کی باقاعدہ کوشش کی گئی، نمایاں افراد سے ملاقاتیں کی گئیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کا مثبت جواب ملتا رہا ہے۔ جماعت کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں، وہ بھی بظاہر کم ہوئی ہیں۔ تعلقات استوار ہوئے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند نے اپنے بعض اہم پروگراموں میں شرکت کی دعوت دی اور اس میں ہم نے شرکت بھی کی۔ جمعیۃ علماء ہند کے دونوں طبقات سے ہمارے تعلقات ہیں۔ ان کے بعض اہم پروگراموں میں ہماری شرکت ہوتی ہے اور ہمارے پروگراموں میں وہ شریک ہوتے ہیں۔ مظاہر العلوم سہارنپور اور ندوۃ العلماء لکھنؤ، جمعیت اہلِ حدیث ان سب سے روابط میں اضافہ ہوا ہے۔ مختلف طبقوں کے علماء کرام سے بھی جماعت

کے روابط ہیں۔ جنوب کے اداروں کا بھی سفر ہوتا رہا ہے اور وہاں کے علماء سے بھی روابط میں اضافہ ہوا ہے۔ کہیں سے بھی مخالفت اور دوری کا اظہار نہیں ہوا۔ تعاون کا جذبہ بھی دیکھنے میں آیا۔ یہ دراصل براہِ راست ملاقاتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ سوال کہ آج اتحادِ ملت کس پوزیشن میں ہے، اس کے بارے میں صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ملّت کے اندر یہ احساس ابھرا ہے کہ مشترک مسائل کے حل کے لیے متحدہ کوشش ہونی چاہیے۔ اور اس معاملے میں جماعت کی قوت اور اس کے اثرات کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ اتحاد ابھی ایسا نہیں ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ امت بنیانِ مرصوص بن گئی ہے۔ اس کے لیے کوششیں جاری رکھنی ہوں گی۔

مسلکی اختلافات

سوال: مسلم ملت میں مسلکی اختلافات پر تنازعات اور جھگڑوں کی صورت حال آج بھی کم وبیش پہلے جیسی ہے، جس کا اندازہ مختلف درس گاہوں، تعلیمی اور مسلکی اداروں سے شائع ہونے والے جرائد سے بخوبی ہوتا ہے۔ (واضح رہے کہ ہر قابل ذکر تعلیمی ادارہ اپنا ترجمان رسالہ شائع کرتا ہے) گزشتہ ۲۵ برسوں سے یہ ملت نہایت شدید حالات اور مختلف النوع مسائل سے دوچار ہے، مگر مسلکی جھگڑوں میں کمی نہیں آئی۔ ایک عالم دین کی حیثیت سے آپ بتائیں کہ یہ صورت حال کیوں ہے اور اس کے لیے کون ذمے دار ہے۔ نیز یہ کہ اسے کس طرح بدلا جاسکتا ہے؟

جواب: یہ ایک حقیقت ہے جس کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ عالم اسلام میں بھی فقہی اور مسلکی اختلافات موجود ہیں اور اس پر بحث ومباحثہ بھی ہوتا رہتا ہے لیکن جو شدت برصغیر (ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) میں پائی جاتی ہے وہ دیگر ممالک میں دیکھنے میں نہیں آتی۔

اس کے مختلف اسباب ہیں: اس کا ایک سبب یہ ہے کہ مسالک ہی کو ان کے ماننے والوں نے امت کا اصل مسئلہ یا اصل دین سمجھ لیا ہے اور اس کے دفاع اور تائید وحمایت ہی کو دین کی سب سے بڑی خدمت تصور کرنے لگے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان ہی مسائل کی بنیاد پر ہر مسلک زندہ ہے اور وہ کسی قیمت پر دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اس سلسلے میں دو باتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ایک بات تو یہ کہ مسلکی اختلاف دین وشریعت کا اصولی اختلاف نہیں، بلکہ اس کا تعلق ان چند احکام ومسائل سے ہے جن میں ایک سے زیادہ رایوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ان کے درمیان شریعت کا نقطۂ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ مسائل دین کے اساسات سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ ان کی حیثیت جزوی اور فروعی ہے۔ہر مسلک قرآن و حدیث کو سند مانتا ہے اور اس پر عمل کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن بعض احکام ومسائل میں دلائل کی بنیاد پر اختلاف ہے۔کسی بھی مسلک کو بے دلیل نہیں کہا جا سکتا۔ہر ایک کی پشت پر دلائل ہیں۔ان دلائل کی بنیاد پر یہ بحث رہتی ہے کہ کس مسئلے میں کس مسلک کو ترجیح حاصل ہے۔اگر یہ بات ذہن میں تازہ رہے تو مسائل کے سلسلے میں شدت نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان مسائل پر ردوکد اور بحث ومباحثہ میں دین کا مقصد، اس کی اصولی تعلیمات، اللہ اور اس کے رسول سے تعلق اور وفاداری، سیرت وکردار کی بلندی، امت کا خیر امت ہونا اور اپنی اور دنیا کی فلاح کے لیے اس کا سرگرم عمل ہونا اور آج کے دور میں اسلام کا قابل عمل ہونا، اس طرح کے بنیادی امور سے ہماری توجہ ہٹ جاتی ہے۔اس طرح کے امور ہمارے درمیان زیر بحث ہی نہیں آتے۔دین کا صحیح تصور اور موجودہ حالات میں اس کے وسیع تقاضے ذہنوں میں ہوں تو پھر ان جزوی مسائل میں ہم نہیں الجھیں گے اور ہر ایک کے اجتہاد اور طریقۂ عمل کو خوش دلی سے برداشت کریں گے۔دورِ اوّل میں صحابہ کرام کے درمیان بھی بعض مسائل میں اختلافات رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان سب نے متحد ہو کر دین کی دعوت اور سربلندی کے لیے جدوجہد کی۔اسی اسوہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے اور اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ

جماعت اسلامی نے اپنے حلقۂ اثر میں فقہی اختلافات کی شدت کو کم کیا، بلکہ ایک لحاظ سے اس کو ختم کیا ہے۔ جماعت کے افراد مختلف مسالکِ فقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے درمیان یہ بحث کبھی نہیں اٹھتی کہ کون کس فقہی مسلک کا پابند ہے۔ اقامتِ دین کے اعلیٰ وارفع نصب العین نے ان کو ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ اسی طرح جماعت سے تعلق رکھنے والے دینی اداروں میں فقہی نقاطِ نظر پر بحث تو ہوتی ہے لیکن کسی ایک نقطۂ نظر پر اصرار نہیں کیا جاتا، بلکہ پڑھنے والوں کو اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

الگ تھلگ رہنے والے مسلمانوں کی دینی تربیت کا طریقہ

سوال: ہمارے ملک میں مسلم آبادی کی موجودگی کچھ اس طرح ہے کہ کہیں کہیں تو مسلم آبادی کا ارتکاز ہے، شہروں میں بھی اور دیہی علاقوں میں بھی، لیکن مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد وہ ہے جو شہروں میں دور دراز کالونیوں میں رہتی ہے۔ عام مسلم آبادی سے ان لوگوں کا کوئی ربط وضبط نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جمعہ کی نماز اور رمضان المبارک میں نماز تراویح اور عیدین کے لیے انھیں دور جانا پڑتا ہے۔ الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے اولاد کی تربیت بھی یہ لوگ اسلامی خطوط پر نہیں کر سکتے۔ یہی صورت ان دیہات اور قریوں کی ہے جہاں اکا دکا یا دو دو چار چار مسلم خاندان رہتے ہیں، جہاں انھیں اپنے عقائد اور اپنی روایات پر عمل میں دقت پیش آتی ہے۔ اِن مسلم خاندانوں کو مسلم آبادیوں سے جوڑنے کا آپ کے نزدیک کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ ایک اہم سوال ہے جو آپ نے چھیڑا ہے۔ مسلمانوں کی وہ آبادیاں جو بڑے شہروں کے حاشیہ پر جہاں شہری سہولیات برائے نام ہی ہوتی ہیں، جنھیں سلم ایریا کہا جاتا ہے یا مسلمانوں کی وہ بستیاں جو چند گھروں اور خاندانوں پر مشتمل ہیں اور مسلم آبادیوں سے دور ہیں، ان کے لیے دین کے مطابق زندگی گزارنے میں خاصی دشواریاں ہیں۔ دین کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور ماحول کچھ اور چاہتا ہے۔ دین جس طرف لے جانا چاہتا ہے ماحول انھیں بالکل دوسری طرف لے جاتا ہے۔

میرے خیال میں اس سلسلے میں کرنے کے چند کام یہ ہو سکتے ہیں:

۱- پورے ملک میں اس طرح کی آبادیوں کا سروے کیا جائے، اس کے ذریعہ یہ معلوم کیا جائے کہ اسلام سے ان کی وابستگی کا کیا حال ہے اور کس حد تک اسلام سے ان کا عملاً تعلق باقی ہے۔ یہ کیفیت ہر جگہ الگ ہوگی۔ اسی لحاظ سے ان کی اصلاح کا پروگرام وضع کیا جائے۔

۲- ایسے معلمین، مبلغین اور ائمۂ مساجد کا انتظام کیا جائے جو ان بستیوں میں قیام کریں اور انھیں دین کی ضروری تعلیم سے آراستہ کریں اور دین سے ان کے تعلق کو مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے اخراجات کا نظم ہونا چاہیے۔

۳- ان آبادیوں کے مناسب حال انھیں کی زبان میں دینی لٹریچر فراہم کیا جائے۔ یہ لٹریچر قرآن مجید، حدیث اور سیرت سے متعلق بھی ہو اور آج کے ذہن کو مطمئن بھی کر سکے۔ اس طرح کے لٹریچر کی ملک کی تمام بڑی زبانوں میں ضرورت ہوگی۔ اس میں شک نہیں اس مقصد کے لیے ضروری لٹریچر موجود ہے۔ جن پہلوؤں سے یہ مفید ہے اسے ان تک پہنچانے کا اہتمام ہو اور جہاں ضرورت ہو جدید لٹریچر تیار کیا جائے۔

۴- اس سلسلے میں ایک کام یہ بھی ہونا چاہیے کہ ان آبادیوں کے بچوں کی دینی تعلیم کا نظم ہو، تاکہ ہر نسل بعد میں آنے والوں کو دین کی تعلیم دے اور اس پر قائم رکھ سکے۔ اس کے لیے دینی مدارس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے، اس کے لیے مسلم تنظیموں کو اور ان اصحاب کو جو اصلاح معاشرہ کے فرائض انجام دیتے ہیں مل جل کر ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت عمل کرنا ہوگا۔ جماعت اسلامی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔

❖●❖

ملت کے ہنگامی مسائل

سوال: ہندستان میں مسلم ملت کے کچھ مسائل تو وہ ہیں جن کی نوعیت ایک لحاظ سے ہنگامی یا ناگہانی ہے۔ مثلاً عبادت گاہوں اور قبرستانوں کا تحفظ، سرکاری تعلیم میں غیر اسلامی عناصر کی شمولیت اور وقتاً فوقتاً ہونے والے فسادات وغیرہ ــــــ اور کچھ کام وہ ہیں جو مسلمانوں کو کرنے چاہئیں اور وہ کر بھی رہے ہیں، مثلاً دینی تعلیم، عصری و دینی تعلیم اور مسلم معاشرے کی اصلاح وغیرہ۔ کیا آپ کے خیال میں دونوں نوعیت کے کاموں میں مختلف جماعتوں، تنظیموں اور اداروں کے درمیان تال میل کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ اول الذکر مسائل کے لیے مسلم مجلس مشاورت کا پلیٹ فارم موجود ہے لیکن وہ زیادہ فعال اور مؤثر نہیں ہے۔

جواب: جن مسائل کا آپ نے ذکر کیا ہے اس میں شک نہیں کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں چھوٹے بڑے پیمانے پر کام کررہی ہیں، بعض افراد میں بھی اس سلسلے میں دلچسپی دیکھی جاتی ہے، لیکن اس معاملے میں اب تک ان تنظیموں کے درمیان کوئی تال میل نہیں ہے اور نہ کوئی مشترک پروگرام ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کے سلسلے میں کوئی سنجیدہ کوشش بھی نہیں ہوئی ہے۔ ہر جماعت اپنے ڈھنگ سے کام کررہی ہے۔ اس میں شک نہیں مسلم مجلس مشاورت جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، ایک مشترکہ پلیٹ فارم ہے۔ اس پلیٹ فارم سے مشترک مسائل اٹھائے جاسکتے ہیں اور بعض اوقات اٹھائے بھی جاتے ہیں۔ یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اسے مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔

❖●❖

مسلم پرسنل لا

سوال: مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے لیکن اس کی نوعیت بھی ایک ہنگامی مسئلے کی ہے۔ اس کے حل کے لیے مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہے۔ جماعت شروع ہی سے اس سے وابستہ ہے۔ اس کی تاسیس میں اس کا اہم رول رہا ہے۔ آپ اس کے نائب صدر ہیں۔ ہم جاننا چاہیں گے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے مقصد میں کتنا کامیاب ہے اور موجودہ صورت حال کیا ہے؟

جواب: مسلم پرسنل لاء کے مسئلے کو ہم ہنگامی مسائل کی فہرست میں نہیں رکھ سکتے۔ دستور ہند نے اقلیتوں کو اپنے پرسنل لا پر عمل کی جو آزادی دی ہے ضرورت ہے کہ اس کو باقی رکھنے کے لیے مسلسل کوشش ہوتی رہے۔

بعض اوقات مسلم پرسنل لا سے متعلق عدالتوں کے فیصلے شریعت سے متصادم ہوتے ہیں اور اس کی جو تشریحات ہوتی ہیں وہ بھی اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہوتی ہیں۔ ان کو اگر چیلنج نہ کیا جائے تو یہ فیصلے اور تشریحات آئندہ کے لیے نظیر بن جائیں گی اور آہستہ آہستہ پورا پرسنل لا ہی متاثر ہو کر رہ جائے گا۔ اسی طرح آبادی کے مختلف طبقات کے پرسنل لا کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی آواز بھی بار بار اٹھائی جاتی ہے۔ سپریم کورٹ حکومت کو اس کی طرف متوجہ بھی کرتا رہتا ہے۔ ابھی تک تو حکومت یہ کہتی رہی ہے کہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی مسلمانوں کی مرضی ہی سے ہوگی۔ لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں کی مرضی کے نام پر وہ کب کیا قدم اٹھائے۔ پھر یہ بات بھی واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کا کوئی طبقہ، بلکہ کل مسلمانان عالم مل کر بھی اسلامی شریعت میں اپنی مرضی سے کوئی ترمیم

نہیں کر سکتے۔ اس سلسلے میں مسلم پرسنل بورڈ خصوصی خدمات انجام دے رہا ہے اور مختلف تنظیموں اور افراد کا تعاون بھی اسے حاصل ہے۔ البتہ ایک بات غور طلب ہے وہ یہ کہ مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے دائرے سے باہر کے بعض دوسرے امور میں بھی دلچسپی لے رہا ہے، جو بورڈ کے حق میں آگے چل کر شاید مفید ثابت نہ ہو۔ آپ کو یاد ہوگا بابری مسجد کی شہادت کے بعد رابطہ کمیٹی، ایکشن کمیٹی اور بابری مسجد کمیٹی وجود میں آئیں، لیکن آپس کے اختلافات کی وجہ سے وہ اس مسئلے میں پیش قدمی نہ کر سکیں۔ اس پر یہ تجویز سامنے آئی کہ پرسنل لا بورڈ اسے اپنے ہاتھ میں لے۔ بڑی بحث و تمحیص کے بعد مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر بورڈ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا۔ لیکن اب مسلمانوں کی جبری تعلیم اور اوقاف جیسے مسائل بھی اس کے دائرے میں آگئے ہیں۔ حالاں کہ ان مسائل پر مسلمانوں کی تنظیمیں اپنے طور پر سرگرم ہیں۔ پرسنل لا بورڈ سے اس معاملے میں ان تنظیموں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس وجہ سے اندیشہ ہے کہ بورڈ سے ان کا تعلق کمزور ہوگا اور اسے وہ اپنے کاموں میں مداخلت سمجھیں گی۔ اسی طرح بورڈ اصلاح معاشرہ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ یہ کام بہت پہلے سے تمام مسلم تنظیمیں، دینی مدارس اور افراد انجام دے ہی رہے ہیں۔ نہ تو پرسنل لا بورڈ ان سے کوئی ربط قائم کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی یہ تنظیمیں اس معاملے میں اس سے ربط وضبط رکھتی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ مسائل جن کو ملت کی تنظیمیں حل کر سکتی ہیں انھیں بھی مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے دائرۂ عمل میں لا رہا ہے۔ اس سے فطری طور پر ان کے درمیان دوری پیدا ہوگی۔ اگر مسلم پرسنل لا بورڈ، پرسنل لا کی حفاظت کی حد تک اپنی کوششوں کو محدود رکھے تو یہ اس کی تقویت کا باعث ہوگا اور مسلمانوں کے ادارے اور تنظیمیں زیادہ اطمینان کے ساتھ اس خاص معاملے میں اس کا تعاون کریں گے۔

❖●❖

ملکی اور عالمی مسائل

ملک میں بدعنوانی کا مسئلہ

سوال: ہمارا ملک بہت سے مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ اِس وقت ملک میں کرپشن اور بدعنوانی کا مسئلہ سب سے بڑے عوامی مسئلہ کے طور پر ابھرا ہے، اور اس سلسلہ میں عوام کے اندر زبردست بیداری پیدا ہوئی ہے جو اِس سے قبل کبھی نہیں دیکھی گئی، لیکن اس سلسلہ میں سیاسی اور قانونی سطح سے جو کوششیں ہو رہی ہیں، کیا آپ کے خیال میں اُن کوششوں سے اِس بُرائی کا خاتمہ ممکن ہے؟

جواب: ملک میں کرپشن اور بدعنوانی تو شروع ہی سے رہی ہے لیکن اب یہ جس بھیانک شکل میں سامنے آرہی ہے، اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ یہ ہماری سیاست اور عوامی زندگی کی رگ و پے میں پیوست ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ رشوت کے ذریعے اس کا کوئی بھی مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور بغیر رشوت کے وہ اپنا جائز حق بھی آسانی سے نہیں حاصل کرسکتا۔ اس سلسلے میں جو کوششیں ہو رہی ہیں ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس سے کرپشن اور بدعنوانی ختم نہیں ہوگی اور نت نئے رخ سے وہ ابھرتی ہی رہے گی۔ اس کے خاتمے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ پورے معاشرہ میں اور پورے ملک میں اس کے خلاف ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ ہر شخص رشوت لینے اور دینے کو یا بدعنوانی کو ایک جرم تصور کرنے لگے۔ جب تک ملک میں ایسی فضا نہ ہو چند افراد کے خلاف سیاسی یا قانونی اقدامات سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ افسوس کہ اس طرح کی فضا پیدا کرنے کی کسی طرف سے کوئی کوشش نہیں ہو رہی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کے لیے فرد میں اور بحیثیت مجموعی معاشرہ میں خدا کا خوف اور آخرت کی باز پرس پر ایمان ویقین ہو۔ ہر آدمی رشوت لیتے ہوئے یہ سوچے کہ مجھے خدا کے سامنے اس کا جواب دینا ہے اور رشوت دینے والا بھی یہ سوچے کہ جس ناجائز مقصد کے لیے وہ رشوت دے رہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا اور اسے اس کی سزا برداشت کرنی ہوگی۔ یہی مسئلہ کا اصل علاج ہے۔ جماعت اسلامی اسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔

کیا مسلم ممالک میں موجودہ بیداری کا محرک اسلام ہے؟

سوال: مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے مسلم ملکوں میں جو بیداری دیکھی جارہی ہے، کیا آپ کے خیال میں اس کا تعلق اسلامی بیداری سے ہے؟ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلام کی طرف پلٹنے کا رجحان ہے؟

جواب: میرا خیال یہ ہے کہ مصر، شام، تیونس، یمن، لیبیا وغیرہ میں جو کچھ ہورہا ہے، اس میں ابھی اسلام کھل کر زیرِ بحث نہیں آیا ہے، بلکہ اس کے محرکات سماجی، معاشی اور سیاسی ہیں۔ ان ممالک میں سیاسی جبر، معاشی ابتری، وسائل دولت پر ایک خاص طبقہ کا قبضہ اور عام افراد کا ان سے محروم ہونا اور اس کے خلاف آواز اٹھانے اور تحریک چلانے کی اجازت نہ ہونا، صریح ظلم و زیادتی ہے۔ ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو اس کے خلاف بغاوت ہوتی ہے۔ ان ممالک میں یہ اسی طرح کی بغاوت ہے۔ اس کے ساتھ ان ممالک میں ایک بڑا طبقہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اسلام پر ایمان اور اس سے وابستگی کے دعویٰ کے باوجود اس کی تعلیمات اجتماعی زندگی میں نافذ نہیں ہیں اور مغرب کا نظام فکر و عمل اس پر مسلط ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامل بھی حکومت مخالف افراد اور گروہوں کے ساتھ ہیں۔ مصر کے بارے میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ الاخوان المسلموں کو صدر ناصر کے زمانہ سے جس طرح ظلم و جبر، قید و بند اور تعذیب کا نشانہ بنایا گیا اس کی مثال ماضی قریب میں صرف کمیونسٹ ممالک ہی پیش کرسکتے ہیں۔ ایک طویل عرصہ سے الاخوان المسلمون پر طرح طرح کی بندشیں تھیں اور آزادی سے کام کرنے کی اسے اجازت نہ تھی۔ اب اسے آزادی ملی ہے تو وہ ایک قوت کی حیثیت سے ابھر کر

سامنے آئی ہے۔ اسے دنیا کی طاقتیں محسوس کررہی ہیں۔ امریکی صدر اوباما نے بھی ایک موقع پر کہا ہے کہ مصر میں اگر کوئی منظّم گروہ ہے تو وہ الاخوان المسلمون ہے۔ لیکن اخوان یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت اگر وہ اسلام کا نام لے کر آگے بڑھیں گے تو پورے ملک کی انہیں حمایت حاصل نہ ہوگی اور مخالف قوتیں جواب تک اقتدار میں رہی ہیں اور اب بھی ہیں وہ ان کے خلاف سرگرم ہوجائیں گی۔ اس لیے انھوں نے حکمتِ عملی یہ اختیار کی ہے کہ جمہوریت کی بحالی پر زور دیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہاں جمہوریت آئے اور ہر شخص کو اظہارِ رائے کا موقع حاصل ہو تو مصری عوام کے سامنے سوائے اسلام کے کوئی دوسرا راستہ نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اسلام زیر بحث نہ لیبیا میں ہے، نہ بحرین میں، نہ یمن اور شام میں۔ ان ممالک میں جبر، ظلم اور معاشی عدم توازن کے خلاف لوگ جمع ہوئے ہیں۔ البتہ اس کی توقع کی جاسکتی ہے ان ممالک میں اگر آزادی فکر و عمل حاصل ہو تو وہاں کی اکثریت اسلام ہی کو پسند کرے گی اور اس کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر ہوگی۔

جماعت اسلامی اور عالمی تحریکات اسلامی

سوال: جماعت اسلامی ہند کا دائرۂ کار اگرچہ انڈین یونین ہے لیکن اسلام کے آفاقی نظریۂ حیات کی حامل ہونے کی حیثیت سے جماعت عالمی اسلامی تحریکات پر بھی نظر رکھتی ہوگی۔ براہِ کرم بتائیں ان تحریکات کے ساتھ جماعت کے روابط اور تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟

جواب: یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کو غالب کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ اس لحاظ سے جماعت اسلامی اور دیگر اسلامی تحریکات کا ایک طرح سے فکری تعلق ہے۔ یہ حقیقت ذہن میں رہنی چاہیے کہ دنیا میں جو اسلامی تحریکیں کام کر رہی ہیں ان کے درمیان نظریاتی اشتراک تو ہے لیکن سب کا طریقہ کار ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہم اپنا طریقہ کار اپنے حالات کے پس منظر میں ہر چار سال میں طے کرتے ہیں۔ وہ تحریکیں بھی اپنے حالات کے لحاظ سے سوچتی اور عمل کرتی ہیں۔ اس لیے نظریاتی تعلق کے باوجود طریقہ کار ہر ایک کا الگ ہے۔

❖●❖

ہندستان اور ہندستانی مسلمانوں کے بارے میں دنیائے اسلام کے تاثرات

سوال: میقات گزشتہ میں آپ کو متعدد مسلم ممالک کا دورہ کرنے کا موقع ملا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی آپ نے بعض ممالک کا دورہ کیا ہے۔ ان دوروں کے دوران آپ نے مسلم دانشوروں اور عالمی رہنماؤں سے تبادلۂ خیال بھی کیا۔ براہِ کرم بتائیں کہ عالمی سطح پر ہندستان، مسلمانانِ ہند بالخصوص تحریکِ اسلامی ہند کے بارے میں کیا تاثرات پائے جاتے ہیں؟

جواب: ہندستان کے رقبہ کی وسعت، اس کی معتدل آب و ہوا، اس کی آبادی، اس کی افرادی قوت، سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں اس کی کوششیں ایسی ہیں کہ مسلم ممالک اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ترقی پذیر ملکوں میں اسے جو مقام حاصل ہے، اسے محسوس کرتے ہیں۔ بہت سے میدانوں میں وہ اس کی صلاحیتوں سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ چناں چہ لاکھوں کی تعداد میں ہندستان کے مزدور ہی نہیں، بہ کثرت پیشہ ور افراد بھی ان ممالک میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دوسری طرف یہاں کی غربت، جہالت، عدم مساوات اور غیر متوازن ترقی اس کی تصویر خراب کر رہی ہے۔ اس کی آسانی سے کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔

اس ملک میں مسلمان گو اقلیت میں ہیں، لیکن انڈونیشیا اور پاکستان کے بعد مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی کسی دوسرے ملک میں نہیں ہے۔ یہاں مسلمانوں

کی جوشاندار تاریخ رہی ہے، دنیا اس سے بھی باخبر ہے۔ اس پس منظر میں جب وہ دیکھتی ہے کہ مسلمان تعلیمی، معاشی اور سیاسی میدان میں بہت پیچھے ہیں اور بعض معاملات میں ملک کے پس ماندہ طبقات بھی اس سے آگے ہیں تو افسوس کے ساتھ اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ کبھی کبھی خود مسلمانوں کی کم زوریوں خاص طور پر اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت، جہالت اور عدمِ اتحاد کا ذکر آتا ہے، گوکہ یہ کمزوریاں خود ان ممالک میں موجود ہیں جہاں وہ اکثریت میں ہیں اور اقتدار کے حامل ہیں، لیکن کم زوریاں بہرحال کم زوریاں ہیں، چاہے وہ کسی بھی طبقہ میں بھی ہوں۔ اس معاملہ میں حکومت کو بھی سوچنا چاہیے اور خود مسلمانوں کو بھی اس کا جائزہ لینا چاہیے، اس وقت صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس سلسلے میں جو اقدامات ہورہے ہیں وہ ناکافی ہیں۔

جماعت اسلامی ہند کو مسلم ممالک ہندستان کی سب سے بڑی مسلم تنظیم کی حیثیت سے خاص اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے دعوتی، اصلاحی، تعلیمی، خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کے وسیع کام سے وہ کسی نہ کسی درجہ میں واقف ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہندستان میں کوئی دوسری جماعت اتنے مختلف محاذوں پر کام نہیں کررہی ہے۔ جماعت نے ملک کی مختلف زبانوں میں قرآنِ مجید کے تراجم اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت کی اللہ کی توفیق سے جو خدمت انجام دی ہے، اسے مسلم دنیا بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔